حماس - فلسطینی تحریک مزاحمت

ضیا اللہ رحمانی

مشرق وسطیٰ میں 'قیام امن' کے نام نہاد منصوبہ میں یاسر عرفات اور اسرائیل کے اشتراک عمل کے بعد ' اب فلسطین کی آزادی کی تحریک ' الحرکة المقاومه الاسلامیه یعنی اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کو اسرائیل کے ساتھ ساتھ یاسر عرفات کی پولیس کا مقابلہ بھی کرنا پڑ رہا ہے۔ اسرائیل کو فلسطین کی جذبہ اسلامی سے سرشار اس جہادی تحریک کو کچلنے کی کوششوں میں اب یاسر عرفات اور اس کے حامیوں کا تعاون بھی حاصل ہوگیا ہے۔ اسرائیلی حکمران خود بھی ہر طرح کے ظلم و ستم کر رہے ہیں اور یاسر عرفات کی خود مختار اتھارٹی سے بھی اقدامات کروا رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک کے بعد ایک عرب ملک اسرائیل سے تجارتی اور سفارتی تعلقات قائم کر رہا ہے۔ ان حالات میں حماس (لغوی معنی 'جذبہ 'بہادری) اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔

تاریخی پس منظر

حماس عظیم اسلامی تحریک اخوان المسلمون کا تسلسل ہے۔ ۱۹۳۵ میں جب امام حسن البنا شہید نے اپنے بھائی عبدالرحمن البنا کو تحریک کی دعوت پہنچانے کے لیے فلسطین بھیجا تو اس کی ابتدا ہوئی۔ ۱۹۴۵ میں اخوان نے بیت المقدس میں پہلا دفتر قائم کیا۔ ۱۹۴۷ میں ۲۵ دفاتر قائم ہوگئے تھے اور ۱۲ سے ۲۰ ہزار تک تحریک کے ارکان بن چکے تھے۔ معروف فلسطینی راہنما الحاج الامین الحسینی اس کے مقامی امیر تھے۔ فلسطین کے اخوان 'تحریک کے بانی حسن البنا کے علاوہ جن دو شخصیات سے جذبہ عمل حاصل کرتے تھے' ان میں سے ایک سید قطب شہید اور دوسرے عزالدین القسام شہید تھے جنھوں نے ۱۹۱۷ میں برطانیہ کے خلاف عملی جہاد کا آغاز کیا تھا۔

اسرائیل کے قیام کے بعد 'مغربی کنارے کے علاقے میں اخوان کے تعلقات اردن کے حکمران ہاشمی خاندان سے اچھے تھے 'جس نے ۱۹۵۰ میں مغربی کنارے کو اپنی مملکت کی حدود میں شامل کیا تھا۔

یہاں اخوان کی سرگرمیاں سماجی، اصلاحی اور مذہبی نوعیت کی تھیں۔ دوسری جانب غزہ کی پٹی میں، جو مصر کے زیر انتظام تھا، اخوان کی تنظیم کو ممنوع قرار دیا گیا تھا اور ان کے تعلقات حکومت سے کشیدہ تھے۔

۱۹۶۷ میں اسرائیل نے غزہ کی پٹی اور مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا۔ اخوان نے اپنے ہدف، یعنی ایک اسلامی معاشرے کی تعمیر نو کے لیے رفاہی ادارے، مدارس اور ادبی و جسمانی سرگرمیوں کے لیے کلب وغیرہ کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۹۷۳ میں، غزہ میں شیخ احمد یاسین کی قیادت میں ایک اسلامی مرکز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کچھ ہی عرصے کے اندر، یہ مرکز، اسلامی یونی ورسٹی غزہ سمیت، اخوان کے زیر اثر تمام اداروں کو کنٹرول کرنے لگا۔

۷۰ کے عشرے کے اواخر میں فلسطینی تحریک مزاحمت کی کمزوری اور ایران کے اسلامی انقلاب کے اثرات کی وجہ سے فلسطین کے لوگ تنظیم آزادی فلسطین کے کسی سیاسی اور نظریاتی متبادل کی تلاش میں تھے جس کے نتیجے میں اخوان المسلمون کو مزید مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔ چونکہ اسرائیل کی توجہ ان گروہوں پر تھی جو مسلح جدوجہد میں مصروف تھے اس لیے اخوان بغیر کسی قابل ذکر اسرائیلی مداخلت کے اپنا کام آگے بڑھاتے رہے۔ اخوان نے اپنا پیغام پہنچانے اور لوگوں کو اپنے ساتھ لانے کے لیے نئی تدابیر پر عمل کیا۔ مقبوضہ علاقے میں مختلف تنظیمیں، لائبریریاں اور کھیلوں اور سماجی سرگرمیوں کے مختلف کلب قائم کیے۔ زکوٰۃ کے ذریعے ہزاروں غریب خاندانوں کی مدد کی۔ ہزاروں بچوں کی تعلیم کے لیے تحریک کے اپنے سکول تھے۔ یونی ورسٹی طلبہ کو قرضے دیے جاتے تھے۔ عوام سے رابطے کا ایک موثر اور اہم ذریعہ اوقاف کا انتظام تھا۔ غزہ میں اوقاف کے زیر انتظام سیکڑوں مکانات، دکانیں، بڑی عمارتیں، فلیٹس، گیراج اور ۲ ہزار ایکڑ زرعی زمین تھی۔ اوقاف کے انتظام کے لیے ائمہ سے لے کر گورکن تک ہزاروں افراد کام کرتے تھے لیکن اخوان کی دعوت پھیلانے کا اہم ذریعہ مساجد تھیں۔ اسرائیلی قبضے کے بعد مقبوضہ علاقوں میں مساجد کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۷ سے ۱۹۸۷ تک غزہ میں مساجد کی تعداد ۲ سو سے بڑھ کر آٹھ سو اور مغربی کنارے میں ۴ سو سے بڑھ کر ۶ سو ہو گئی۔ ان مساجد کے انتظام و انصرام کو اخوان نے اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان سے تحریک کے مراکز کا کام لیا۔ یوں ایک پوری نسل تیار ہو گئی جو اسلام کو نظام زندگی اور جہاد ہی کو فلسطین کی آزادی کا ذریعہ سمجھتی ہے۔

حماس کی تشکیل

اخوان المسلمون ۱۹۴۸ کی عرب اسرائیل جنگ میں عملاً حصہ لے چکی تھی اور ۱۹۸۷ تک مختلف موقعوں پر اکا دکا مسلح کارروائیاں کرتی رہی۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۸۳ میں شیخ احمد یاسین سمیت کئی

مجاہدین گرفتار ہوئے۔ اخوان کا اصل لائحہ عمل دعوت ' تربیت اور اصلاح ہی تھا لیکن فلسطین کے خصوصی حالات میں مسلح جدوجہد کا راستہ بھی اختیار کرنا تھا۔

۱۹۸۵ سے ۱۹۸۷ کے دوران اخوان نے کئی دفعہ اسلامی تحریک مزاحمت کے نام سے فلسطینی عوام سے اسرائیل کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کی۔ ۸ دسمبر ۱۹۸۷ کو ایک اسرائیلی ٹرک نے ایک چھوٹی گاڑی کو کچل دیا جس میں کئی فلسطینی مزدور ہلاک ہوئے۔ اس حادثے کے نتیجے میں پورے فلسطین میں احتجاج کی ایک شدید لہر اٹھی۔ یہی موقعہ تھا جب اخوان کی اصلاحی تحریک نے مسلح جدوجہد کا آغاز کیا اور حماس کی بنیاد رکھی گئی۔

مقاصد و حکمت عملی

حماس کا چارٹر اگست ۱۹۸۸ میں جاری ہوا' جس کے مطابق یہ اخوان المسلمون کا باقاعدہ حصہ ہے۔ فلسطین کے متعلق حماس کا موقف یہ ہے کہ اس کی حیثیت اسلامی وقف کی ہے جس میں افراط و تفریط یا اس کے کسی حصے سے دستبردار ہونا شرعاً ناجائز ہے۔ اس لیے مسئلہ فلسطین کا نام نہاد پرامن حل اور اس بارے میں عالمی سطح پر ہونے والی کوششیں حماس کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ مسئلہ فلسطین کے حل کا واحد راستہ جہاد ہے۔ اس کے لیے مقامی' عرب اور عالم اسلام کی سطح پر مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونکنا اور اسلامی شعور بیدار کرنا تمام باشعور مسلمانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ حماس اپنے اہداف کے حصول کے لیے صرف مسلح جدوجہد ہی کو ضروری نہیں سمجھتی' بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی' فکری اور سماجی سطح پر بھی بھرپور کام کر رہی ہے۔

حماس کے چارٹر کے دیگر اہم نکات درج ذیل ہیں:

نئی نسل کی اسلامی تربیت کرنا۔

آزادی کی جدوجہد میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین کو کردار ادا کرنے کا موقعہ دینا۔

اسلامی فن کو ترویج و ترقی دینا اور اس کو تحریک کے مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔

قومی وحدت اور باہمی امداد و تعاون کے لیے کام کرنا۔

دنیا کے دوسرے حصوں میں تحریکات اسلامی کے ساتھ یک جہتی و تعاون کی راہیں تلاش کرنا۔

شخصیات کی تشہیر یا شخصیات کے خلاف پروپیگنڈے سے اجتناب کرتے ہوئے حق پر مبنی موقف پر توجہ رکھنا۔

فلسطین کی قوم پرست تحریکوں کے ساتھ مشترکہ مفادات پر اتفاق و اتحاد کرنا۔

حماس تنظیم آزادی فلسطین کو اپنے سے قریب سمجھتی ہے اور جس دن تنظیم آزادی فلسطین

نے سیکولرازم ترک کر کے اسلام کو اختیار کر لیا، حماس کے افراد اس کے سپاہی بننے میں فخر محسوس کریں گے۔

حماس عرب حکومتوں کو خبردار کرتی ہے کہ صیہونی ان کو اس کشمکش سے الگ کر کے فلسطینیوں کو تنہا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہیے اور اپنے اپنے ملک میں اسلامی تحریکات کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

○ حماس اپنے آپ کو ایک اسلامی تحریک سمجھتی ہے جو دوسرے ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ مکمل رواداری اور پرامن بقائے باہمی کی قائل ہے۔

پروگرام اور سرگرمیاں

حماس اخوان المسلمون کا تسلسل ہے، لہٰذا اخوان نے ادبی، سماجی، جسمانی اور دینی سرگرمیوں کے لیے جو جال غزہ اور مغربی کنارے میں پھیلایا تھا، حماس نے اس سلسلے کو بھرپور انداز میں جاری رکھا۔ اپنی دعوت پھیلانے کے لیے حماس مختلف فورمز، سیمینار، ثقافتی نمایشوں اور دوسرے اجتماعی پروگراموں کا انعقاد کرتی ہے۔ اس سلسلے میں تعلیم یافتہ طبقے اور تعلیمی اداروں پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کتابچے، ہینڈبل چھپوا کر تقسیم کرنا، شہدا کی یاد میں پروگرام کرنا، مختلف تاریخوں پر بڑے بڑے عوامی مظاہرے اور جلوس نکالنا حماس کی سرگرمیوں کا حصہ ہے۔ عام انتخابات کی عدم موجودگی میں یہ کہنا تو مشکل ہے کہ حماس کو عوام کی فی صد کتنی اکثریت کی حمایت حاصل ہے، لیکن یونی ورسٹی یونینوں، ایوان ہائے تجارت، مزدور یونینوں اور اس طرح کے دوسرے اداروں کے انتخابات میں حماس بھرپور حصہ لیتی ہے اور کسی بھی دوسرے سیاسی گروپ سے زیادہ ووٹ لیتی ہے۔

سیاسی و سماجی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ حماس کا عزالدین القسام بریگیڈ عسکری سرگرمیاں کرتا ہے۔ اپنے کم وسائل اور فلسطین پر اسرائیل کی مکمل فوجی گرفت کے باوجود حماس کے عسکری شعبے نے نہایت اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ پتھر مارنے سے مشہور ہونے والی یہ تحریک اب فدائیانہ حملے کر رہی ہے جس نے اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکہ کو ہلا دیا ہے۔ ۱۹۹۴ میں ایک انتہا پسند یہودی گولڈ اسٹائن نے الخلیل کی مسجد ابراہیمی میں ۶۰ نمازیوں کو شہید کیا، اس کے بعد سے حماس نے اب تک ۱۱ فدائیانہ کارروائیاں کی ہیں جن میں ۱۰۰ کے قریب یہودی ہلاک ہو چکے ہیں جن کی اکثریت فوجیوں کی ہے۔ ان میں سے کچھ حملے اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں کیے گئے۔ حماس کا عسکری شعبہ اسلام کے اصولوں کے مطابق فوجی اہمیت کے اہداف کو نشانہ بناتا ہے اور ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ شہری آبادی کا کم سے کم نقصان ہو۔

خارجہ تعلقات

حماس بیرونی دنیا، خاص طور سے مسلمان ممالک میں ذرائع ابلاغ اور اسلامی تحریکوں سے رابطوں کے ذریعے اپنا موقف پہنچانے کا اہتمام کرتی ہے۔ اس وقت ایران، شام اور اردن میں حماس کے باقاعدہ سرکاری طور پر تسلیم شدہ دفاتر موجود ہیں۔ چونکہ باقی دنیا میں حکومتیں حماس کے نام سے دفتر کھولنے کی اجازت نہیں دیتیں، اس لیے مختلف ناموں سے اس مقصد کے لیے دفاتر کھولے گئے ہیں، جو ذرائع ابلاغ میں اپنا موقف پہنچانے اور فنڈ اکٹھا کرنے کا کام کرتے ہیں۔

حماس اور پی ایل او

حماس، پی ایل او کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھنا چاہتی ہے لیکن پی ایل او کے سیکولرازم کو گوارا نہیں کرتی، اس پر تنقید کرتی ہے۔ جب سے پی ایل او نے اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ صلح کی ہے اور یاسر عرفات کی محدود مختاری پر مبنی فلسطینی اتھارٹی نے مقبوضہ عرب علاقوں کا انتظام سنبھالا ہے، حماس کے لیے مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں۔ پہلے تو براہ راست اسرائیل کے ساتھ ٹکر تھی لیکن اب یاسر عرفات کی فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کی ہدایات اور پروگرام کے مطابق حماس کی بیخ کنی میں مصروف ہے۔ اس کے باوجود حماس، بڑی حکمت کے ساتھ یاسر عرفات کے ساتھ براہ راست ٹکراؤ سے ممکنہ حد تک احتراز کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔

موجودہ صورت حال میں جب کہ یاسر عرفات، تمام عالمی طاقتوں اور خاص طور پر امریکہ اور عرب ممالک کی حمایت سے اسرائیل کے ساتھ "امن" کو فروغ دے رہے ہیں، حماس کی جدوجہد کا انجام کیا ہوگا، یہ آنے والے حالات ہی بتائیں گے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے، فلسطینی عوام میں حماس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ یاسر عرفات کی نام نہاد خود مختاری اسرائیل کے قبضے کی ایک بدتر صورت ہے، اسرائیلی فوج جب چاہے جہاں چاہے "خود مختار" فلسطینی علاقوں کے اندر گھس کر کسی قسم کی کارروائی کر سکتی ہے جیسا کہ گذشتہ عرصے میں حماس کے بم حملوں کے بعد ہوتا رہا۔ ان کارروائیوں میں اسرائیلی فوج نے مقبوضہ علاقے میں کئی مجاہدوں کے گھروں کو بم سے اڑایا اور کئی لوگوں کو گرفتار کیا۔

شیخ احمد یاسین اور حماس

"انتفاضہ جاری رہے گا اور اس کے ساتھ ساتھ فلسطینی قوم پر مصائب ٹوٹتے رہیں گے اور ہم اپنے مضبوط موقف کے ساتھ مزاحمت جاری رکھیں گے۔ یہ صرف اللہ کو علم ہے کہ یہ کشمکش کب تک جاری رہے گی"۔ یہ الفاظ فلسطین کے اس بطل جلیل کے ہیں جس نے باطل کے مقابلے میں بیسویں صدی میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ۵۸ سالہ شیخ احمد یاسین جن کا جسم، سر کے

سے بچانا چاہتی ہے ' اور دعوت دین میں اپنا حقیر مگر سچی بات ہے نہایت قیمتی حصہ ڈالنا چاہتی ہے تو اسے کچھ حقیقی اور بہت سے موہوم خدشات کی دیوار چین دکھا دی جاتی ہے۔ مجھے اصلاحی صاحب کے استدلال میں چھپے ہوئے درد دل سے کوئی اختلاف نہیں ' لیکن کیا خواتین کی راہ میں کارِ دعوت صرف قلم ہے؟ کیا صرف دعائیں یہ کام کرلیں گی؟

واقعہ یہ ہے کہ اگر کردار میں پختگی نہ ہو تو چار دیواری میں بند عورت پر بھی سب کچھ تھوپا جا سکتا ہے اور اگر مضبوطی ہو تو پھر کالج ' مدرسہ ' بازار اور مطب بھی اس کی عفت مآبی کے گواہ بنتے ہیں۔ ایسے میں اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے والی طالبات اور خواتین کے راستے کی تنگنائیوں کو کچھ کشادہ کرنا چاہیے نہ کہ مزید تنگ۔

(۲)

عدالتی فیصلے کے بارے میں

شہزاد الحسن چشتی

پاکستان کی عدالت عالیہ کے فیصلے پر ''اشارات'' (مئی ۹۶) کو وقیع اور جامع قرار دینے کے باوجود ''کچھ عدالتی فیصلے کے بارے میں'' (جون ۹۶) صاحب مضمون نے چند باتوں سے اختلاف کیا ہے۔ صاحب مضمون کو ''اشارات'' میں judge-made-laws کا دروازہ کھولنے کی تائید دکھائی دیتی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے ''عدالتی آمریت'' اور ''عدالتی شریعت'' کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں ' اور یہی ان کا بنیادی نکتہ اختلاف ہے۔ اپنے نکتہ کے تائید میں انھوں نے ''حاکم خاں کیس'' ۱۹۹۲ کا حوالہ دیا ہے جس میں جسٹس (ر) نسیم حسن شاہ نے ' ان کے مطابق ' قرار داد مقاصد کی روح کو مسخ اور حیثیت کو مجروح کر دیا ہے۔ دوسری مثال عدالت عالیہ کے موجودہ فیصلے سے ہے جس میں ان کے مطابق ' فیڈرل شریعت کورٹ کی روح سلب کر لی گئی ہے۔ ان حوالوں سے انھوں نے عدلیہ کو خاصا ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی کوشش کی ہے اور کچھ زیادہ ہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ارکان کے بارے میں صاحب مضمون کی خوش فہمی کی کوئی بنیاد مجھے محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے اخلاق ' کردار اور اپنے مفادات کے لیے سب کچھ کر گزرنے کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سب کچھ زبان زد عام ہے۔ دراصل مملکت کا نظام چلانے میں عدلیہ اور مقننہ دونوں کا اپنا اپنا کردار ہے اور دستور نے باہمی توازن کے لیے حدود کار تجویز کی ہیں۔ دستور اور قانون کی تعبیر عدلیہ کا فریضہ ہے۔ دستور کی کسی شق یا کسی قانون کے قرآن و سنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا بہتر فیصلہ عدلیہ ہی